ڈان لیکس کا ماسٹر مائنڈ کون؟

تحریر: سہیل احمد لون

انسان کے بنیادی 30 حقوق میں حقِ زندگی اور جائیداد کے بعد سب سے زیادہ جس حق کے تحفظ کی قسم کھائی گئی ہے وہ اظہار کی آزادی ہے۔اس کا یقیناً مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بھی ''اظہار رائے'' کی آزادی کے حق کا ناجائز استعمال کرے۔بعض اوقات کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن پر اظہار رائے کرنے سے کسی خاص مذہب یا قوم کی دل شکنی ہوتی ہے تو ایسے اظہار رائے سے چپ رہنا ہی بہتر ہوتا ہے' ہو سکتا ہے کسی جگہ ایسا کرنا غیر قانونی نہ ہو مگر اخلاقی تقاضہ یہی کہتا ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔مگر بعض معاملات میں ''اظہار رائے'' پر بھی پابندی عائد کی جاتی ہے اور اگر کوئی اس کی پاسداری نہ کرے تو وہ قانون کی نظر میں مجرم ہوتا ہے جس کی سزا کیس کی نوعیت کے مطابق دی جاتی ہے۔2013ء میں کمپیوٹر میں مہارت رکھنے والا سابقہ سی آئی اے کے ملازم ایڈورڈ سنوڈن کو امریکی قانون کے مطابق مجرم قرار دیا گیا جب اس نے سی آئی اے کی خفیہ معلومات برطانوی اخبار گارڈین میں شائع کروادیں۔اپنے دفاع میں سنوڈن نے یہ کہا کہ ایسا کرنا عوام کی دلچسپی کے لیے تھا کیونکہ اس میں اس نے یہ بات لوگوں تک پہنچائی تھی کہ امریکہ کے خفیہ اداروں کی رسائی عام لوگوں کے ای میل تک ہے اور وہ کسی کو بھی مانیٹر کر سکتے ہیں۔یہ راز افشاں ہونے کے بعد عوامی رائے سنوڈن کی حمایت میں تھی اس کے باوجود قانونی طور پر وہ اپنا دفاع نہ کر پایا۔اپنی جان بچانے کے لیے اسے روس میں سیاسی پناہ لینا پڑی اور آج بھی وہ وہیں قیام پزیر ہے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو جھوٹ پر مبنی ہو مگر ایسا سچ جس سے حساس اداروں پر حرف آتا ہو اسے عوام تک پہنچانا ایک قانونی جرم تھا۔سنوڈن نے یہ انفارمیشن پہلے امریکی اخباروں میں شائع کروانے کی بھی کوشش کی تھے مگر وہاں کسی بھی میڈیا ہاؤس نے رسک لینے سے انکار کر دیا تو اس نے برطانوی صحافی گلین گرین والڈ جو گارڈین اخبار کے لیے کام کرتا تھا اسے سٹوری بریک کرنے کا کہا۔اس نے معلومات تو شائع کر دیں مگر آج بھی سنوڈن امریکی قانون کے مطابق مجرم ہی ہے۔ایسا کام کرنا آفیشل سیکرٹس ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے اور اس کے ساتھ اعتماد توڑنے کے زمرے میں آتا ہے۔برطانیہ جہاں صحافت اور آزادی رائے پر کوئی پابندی نہیں اس کے باوجود یہاں کوئی میڈیا ہاؤس جرات نہیں کر سکتا کہ ایسا مواد شائع یا نشر کر دے جس سے ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔حساس اداروں پر کوئی سوشل میڈیا پر بھی ایسی حرکت کرے تو ادارے حرکت میں آجاتے ہیں۔2000ء میں MI5 کے سابقہ ایجنٹ David Shayler برطانوی اخبار دی میل میں کچھ معلومات شیئر کر دیں۔جس میں اس بات کا ذکر بھی تھا کہ MI5 لیبر پارٹی کے کافی ممبر آف پارلیمنٹ پر خفیہ چیک رکھا تھا۔حالانکہ یہ بات سچ تھی مگر اس نے اپنے ادارے کی اندورنی خبر عوام تک پہنچائی اس کے خلاف عدالتی کارروائی کی گئی۔برطانوی آفیشل سیکرٹس ایکٹ 1989 کے سیکشن پانچ کی کلاز S1-4 کے تحت اس کو چھ ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی۔برطانیہ میں آفیشل سیکرٹس ایکٹ 1911 میں متعارف کروایا گیا۔اس کے بعد 1923 میں برصغیر پاک و ہند میں بھی اسے نافذ کیا گیا اور یہ آج بھی بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان میں معمولی ردوبدل کے ساتھ قانون کی شکل میں زندہ ہے۔برطانیہ میں اس قانون میں

مزید ترامیم کر کے آفیشل ایکٹ 1989 بنایا گیا جس کی رو سے اگر کوئی شخص جو کراؤن کا ملازم ہو یا رہ چکا ہو (اس میں حساس ادارے، منسٹرز اور سول سروس بھی شامل ہیں) یا گورنمنٹ کے کنٹریکٹرز اگر کوئی ایسی انفارمیشن لیک کرتے ہیں جس کا تعلق سکیورٹی انٹیلیجنس، ڈیفنس ، بین الاقوامی تعلقات، حساس نوعیت کے جرائم سے ہو تو اس پر Offence of disclosure کا مقدمہ چلتا ہے جس کی سزا چودہ سال یا عمر قید تک بھی ہو سکتی ہے۔ دی آفیشل سیکرٹس ایکٹ 1911 کے سیکشن S1(c) کے تحت صحافیوں کو سزائیں بھی سنائیں جا چکی ہیں۔ اس کے علاوہ Breach of confidence کے تحت خفیہ معلومات کو پبلک کرنا بھی قانونی جرم ہے۔ 1988ء میں نیوز آف دی ورلڈ نے دو ڈاکٹروں کی سٹوری شائع کر دی جس میں بتایا گیا کہ دونوں ڈاکٹروں کو ایڈز کی بیماری ہے اور دونوں کا تعلق ایک ہی ہیلتھ اتھارٹی سے ہے۔ اخبار نے یہ معلومات اس ہسپتال کے ایک ملازم سے لیں جہاں سے یہ دونوں ڈاکٹر علاج کرواتے تھے۔ فالو اپ سٹوری میں اخبار والے ڈاکٹروں اور ادارے کا نام ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر عدالت نے ہیلتھ اتھارٹی کو Permanent injuction دے کر اخبار کو مزید کوئی معلومات شائع سے روک دیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی تقریباً ایسے ہی قوانین، ضوابط ہیں کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اظہار رائے کی آڑ میں ایسا مواد شائع کر دے جس سے ملکی اداروں کی بدنامی ہوتی ہو۔ حالیہ ڈان لیکس میں افواج پاکستان کے خلاف ایک آرٹیکل پبلش ہوا۔ جس کا حساس اداروں سمیت حکومتی ارکان نے بھی نوٹس لیا۔ حکومتی موقف یہ تھا کہ جو بات شائع کی گئی ہے وہ جھوٹ ہے اس لئے انہوں نے اپنے وزیر انفارمیشن کو عہدے سے ہٹا دیا اور صحافی ملک سے باہر چلا گیا۔ فوج نے اس کی تحقیقاتی رپورٹ کو مسترد کر دیا اور ڈان لیکس اب بھی حکومتی ایوانوں میں گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہے۔ پانامہ میں منی ٹریل تو دینا مشکل کام تھا مگر ڈان لیکس کے ماسٹر مائنڈ تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ اس جرم میں شامل چند کردار ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو میٹنگ وزیر اعظم ہاؤس میں ہو جسے راز رکھنا سب پر فرض تھا تو اس میں اگر ایسی بات ہوئی بھی ہو تو باہر آنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ اگر ڈان اخبار میں شائع ہونے والی خبر میں کوئی صداقت نہیں تھی تو محرکات کے اسباب جاننا بہت ضروری ہیں کیونکہ پاک فوج کو بدنام کرنے کا مقصد ملک دشمن عناصر کو خوش کرنا ہے۔ کیا یہ چیز آفیشل سیکرٹس ایکٹ یا Breach of confidence کے زمرے میں نہیں آتی؟ حیران کن طور پر حساس اداروں کا بھی کوئی ایسا ردعمل نہیں آیا تھا جس کا نتیجہ دنوں کا کام مہینوں میں کیا گیا اور وہ بھی ادھورا۔ ڈان لیکس، پانامہ کیس میں ایک بات مشترک تھی کہ اس میں مریم صفدر کا نام صاف کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محترمہ نے عدالتی فیصلے کو ردی کا ٹکڑا کہہ دیا اور اس پر بھی اس کی باز پرس نہ ہوئی ورنہ ابھی کل کی بات ہے کہ چیئرمین پاکستان تحریک انصاف سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد اسے شرمناک قرار دینے پر توہین عدالت کے مرتکب قرار پائے گئے اور انہیں عدالت میں پیش ہو کر معذرت کرنا پڑی لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ جو فیصلہ ابھی سپریم کورٹ میں ہے اسے وزیر اعظم کی دختر ردی کا ٹکرا قرار دیتی ہیں یعنی سپریم کورٹ کے پانچ آنریبل ججوں کی رائے ردی کا ٹکرا ہے لیکن سپریم کورٹ میں کوئی حرکت بھی دیکھنے کو نہیں ملی۔ اسی روش کو برقرار رکھتے ہوئے محترمہ نے پانامہ پیپرز پر بھی ٹویٹ کر دیے مگر جب ہٹلر کے دیس سے Bastian Obermayer نے جوابی کارروائی کی تو محترمہ ٹویٹر کا میدان بھی چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ قوم کی نظریں اس وقت پانامہ کیس کے ساتھ ڈان لیکس پر بھی ہیں۔ اگر ڈان لیکس کے مرکزی مجرموں کو سزا نہیں ملتی تو اس کا مطلب یہی

ہوگا کہ قانون صرف غریبوں کے معمولی جرائم کی سزا دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔ بااثر افراد قومی سلامتی سمیت حساس اداروں کو بھی ذاتی مفادات پر قربان کر دیں تو ان پر ہاتھ کوئی نہیں ڈال سکتا۔ خودکش حملہ آور کا سر ملتا ہے لیکن سر انہیں تو بات سمجھ آتی ہے لیکن جس جرم کے تمام مرکزی کردار آنکھوں کے سامنے ہیں اُن کا منظر عام پر نہ آنا محافظ اداروں پر سوالیہ نشان ہیں؟

تحریر: سہیل حمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.con